ڈاکٹر شاہد اشرف

عہد حاضر میں تدریس اقبال کی اہمیت وافادیت

Importance and usefulness of teaching of Iqbal in present age

Abstract

Conflicts between Islamic traditions and other concepts have existed in Pakistan since start, but before the first decade of the 21st century, the media began to capture the minds of people in every region of the Global Village. The notion of freedom of sex, expression and action is flourishing. Intellectuals with progressive tendencies in educational institutions also began to promote these ideas. Iqbal's thought is deeply rooted in social, cultural, political and religious concepts in Pakistan. There is no substitute for this at the national level. Due to the uniformity of the education system and the complexity of the curriculum, the importance of Iqbal's teaching is further enhanced. Therefore, a powerful source of mind-building is due to Iqbal's thought. This article examines the importance and usefulness of Iqbal's teachings in many contexts including education system, curriculum and educational environment.

Key words: Iqbal, Iqbal's teachings, Pakistan, education system

برصغیر میں انگریزوں کی آمد کے نتیجے میں مقامی لوگوں کو سماجی، معاشی، تعلیمی اور ثقافتی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مغربی طرزِ معاشرت بذاتِ خود ایک بہت بڑا چیلنج تھا۔ صاحب اقتدار اپنے ساتھ زبان و ادب اور تہذیب و تمدن بھی لائے۔ حکمرانوں کے انداز و اطوار سے دو مختلف الذہن طبقات تشکیل پانے لگے۔ یوں مطابقت اور مزاحمت کی واضح صورت دکھائی دینے لگی بیسویں صدی کے آغاز ہی میں مغربی نظریات کا یلغار ہوئی اور اِس کے اثرات کے نتیجے فکری مغلوبیت کا عنصر بڑھنے لگا۔ مدرسے کا نظامِ تعلیم ختم ہو گیا اور اِس کی جگہ لارڈ میکالے کے ترتیب کردہ نظام نے لے لی۔ بہت سے نئے تعلیمی ادارے قائم ہوئے اور مغربی افکار پروان چڑھنے لگے۔ مغرب پسند ذہنوں نے فوراً اِسے قبول کر لیا۔ البتہ قدامت پسند اپنے نظریات پر ڈٹے رہے۔ وہ اپنی تہذیب، ثقافت اور تعلیم سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں تھے۔ نو آبادیاتی دور اسی کشمکش سے عبارت ہے۔ قیامِ پاکستان تاریخ کا بڑا واقعہ ہے۔ دو قومی نظریہ اور نظریۂ پاکستان غیر معمولی اہمیت رکھتے ہیں۔ ملک بن گیا مگر

انگریز عہدِ حکومت کے لیے اداروں کو من وعن بحال رکھا گیا اور گزشتہ پالیسیوں کا اعادہ کیا جانے لگا۔ عدلیہ، انتظامیہ اور مقننہ کے طریقہ کار میں کوئی تبدیلی دیکھنے میں نہیں آئی بلکہ دورِ غلامی کے بعض مثبت عوامل بھی نااہلی کی نذر ہو گئے۔ آزادی کی پہلی دہائی میں یہ نااہلی عروج پر دکھائی دیتی ہے۔ بعد میں بتدریج مختلف محکموں کی از سرِ نو تشکیل و تعمیر ہوئی۔ تعلیم ہر عہدِ حکومت میں عدم توجہی کا شکار رہی ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ پاکستانی حکومتوں کی ترجیحات میں تعلیم شامل نہیں ہے۔ ستر سال کا بجٹ دیکھ لیں۔ بجٹ میں چار پانچ فیصد سے زیادہ حصہ نہیں دیا جاتا ہے اور اِس پر ستم یہ کہ نظامِ تعلیم بھی یکساں نہیں ہے۔ اِس کی وجہ سے فکری انتشار پیدا ہوا ہے۔ جس کے اثرات بتدریج بڑھتے جا رہے ہیں۔

بیسویں صدی کے اختتام سے پہلے انٹرنیٹ نے دُنیا کو گھر کی ٹیبل پر سجا دیا۔ اب کوئی بات، نظریہ، تصویر اور پہلو نظر سے اُوجھل نہیں تھا۔ سو مغربی اثرات مزید گہرے ہونے لگے۔ اِسی دوران میں لبرل، سیکولر اور اتھیسٹ کی اصطلاحات زیادہ شدت سے سنائی دینے لگیں اور اِن کی قبولیت کا عنصر بھی بڑھنے لگا۔

کوئی شک نہیں کہ اکیسویں صدی میں پاکستان پہلے سے زیادہ تعلیمی، ثقافتی، مذہبی، سیاسی اور سماجی مسائل سے دوچار ہے۔ فکرِ اقبال میں ان تمام مسائل کا واضح حل موجود ہے۔ وہ مغربی تہذیب کو جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری قرار دیتے ہیں اور مذہب کو ملت کی بنیاد گردانتے ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں انگریزی اور ہندو ذہنیت سے آگاہ تھے۔ اپنے عہد سے بہت آگے دیکھتے تھے جن مسائل سے ہم آج دوچار ہیں اُنہوں نے بہت پہلے اِس بارے میں حل بتا دیا تھا۔

تعلیم کے ذریعے نسلوں کی ذہنی تربیت کا فریضہ انجام پاتا ہے۔ نصاب کسی بھی معاشرے کی موجودہ و آئندہ ترجیحات کا تعین کرتا ہے اور قومی تشخص کی ضمانت فراہم کرتا ہے افسوس ناک امر یہ ہے کہ اقبال کو صرف لٹریچر تک محدود کر دیا گیا ہے۔ اِس کا نقصان یہ ہوا کہ سائنس، سماجی علوم میں تدریس اقبال نہ ہونے کی وجہ سے نظریاتی تربیت ممکن نہ رہی۔ پہلی بات یہ کہ زندگی کیا ہے اور اِس کا مقصد کیا ہے؟ اقبال اِس باب میں رہنمائی کرتا ہے۔ گلوبلائزیشن کے بعد تہذیبوں کے تصادم کے نتیجے میں زندگی کے بارے میں نقطۂ نظر خطرے سے دوچار ہے۔ اقبال کہتے ہیں:

اپنی دُنیا آپ پیدا کر اگر زِندوں میں ہے
سرِّ آدم ہے، ضمیر کُن فکاں ہے زندگی
زندگانی کی حقیقت کوہکن کے دل سے پُوچھ
جُوئے شِیر و تیشہ و سنگِ گراں ہے زندگی
بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جُوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی
آشکارا ہے یہ اپنی قُوّتِ تسخیر سے

گرچہ اک مٹّی کے پیکر میں نہاں ہے زندگی
قلزمِ ہستی سے تُو اُبھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی (1)

گزشتہ صدی نظریاتی کشمکش سے عبارت تھی۔ سوشلزم کے روبہ زوال ہونے کے نتیجے میں یہ کشمکش خاصی کم پڑ گئی ہے مگر اِس کے باوجود تہذیبوں کے مابین ٹکراؤ ضرور دکھائی دیتا ہے۔ فکرِ اقبال کی تدریس سے نوجوانوں کو اپنی اقدار و روایات کے روشن پہلو ازبر کروائے جا سکتے ہیں۔ ثقافتی اور سماجی زندگی میں مثبت تبدیلی لائی جا سکتی ہے۔ ذہن سازی کے لیے فکرِ اقبال موثر ذریعہ ہے۔ اِس مقصد کے پیشِ نظر پرائمری، ہائی، کالج اور یونیورسٹی کی سطح پر بتدریج کلام اقبال کو نصاب کا حصہ بنایا جائے تو نتائج حوصلہ افزا ہو سکتے ہیں۔ موجودہ دور کے طالب علم کو گزشتہ ادوار کے طالب علم کی نسبت زیادہ چیلنج درپیش ہے۔ گزشتہ دور سٹڈی سرکل اور کتاب سے عبارت ہے۔ موجودہ دور میں موبائل کا پلے سٹور ہر ذہنی رجحان کا تشفی بخش حل پیش کرتا ہے۔ کتاب کی جگہ پہلے کمپیوٹر اور پھر موبائل نے حاصل کر لی ہے۔

میرا خیال ہے کہ ایسی ایپس تیار کی جائیں۔ جن میں گیم کے ذریعے بچوں اور نوجوانوں کی ذہنی تربیت کی جائے۔ اِس تربیت میں مار ڈھاڑ کے بجائے مہمات سر کرنے کی طرف توجہ دی جائے۔ مہمات کی کامیابی پر ڈالرز کے بجائے پی ڈی ایف کتابوں کے تحفے دیئے جائیں اور گیمرز کو کتب کی تعداد سے فرسٹ سیکنڈ اور تھرڈ قرار دیا جائے۔ ان کتب میں کلامِ اقبال کے علاوہ مذہبی، سائنسی، ادبی کتب دی جا سکتی ہے۔ یوں ہر بچہ اپنی خود ساختہ لائبریری کا مالک ہو سکتا ہے اور اِس کے علم میں ہو گا کہ اُس کی لائبریری میں کس عنوان سے کتنی کتب ہیں اور اُس کے مصنف کا نام کیا ہے۔

مادیت ہر جگہ پنجے گاڑھ چکی ہے۔ نظریہ، تعلق، نسبت اور عقیدہ سمیت ہر سطح پر مادی نقطہ نظر غالب آ گیا ہے۔ موجودہ تعلیمی نظام بھی مادیت کو سپورٹ کرتا ہے۔ تعلیم میں تربیت کا عنصر موجود نہیں ہے۔ تعلیمی اداروں کو فیسوں سے غرض ہے اور عام مشاہدہ یہی ہے کہ ڈگریاں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر خاص طور پر یہ رجحان دیکھنے میں آیا ہے۔ انٹر اور بی ایس کی سطح پر میں فکر اقبال کا گوشہ شامل کیا جا سکتا ہے۔ یہاں فکری تربیت آگے چل کر ہائیر پروگرام میں سٹوڈینٹس کی رہنما بن سکتی ہے۔ خلیفہ عبد الحکیم کہتے ہیں:

> ”مغرب میں دین کو کچھ مادیت نے سوختہ کیا اور کچھ وطنیت نے۔ جو مادیت ہی کی ایک صورت ہے۔ وطن پرستی اور مملکت پرستی نے مغرب میں ایک شیطان کا مُرسل بھیج دیا۔ جس کا نام میکیاویلی ہے۔ اُس نے یہ تلقین کی کہ وطن اور مملکت کی حمایت اور قوت افزائی

کے لیے عدل واخلاق کو بالائے طاق رکھ دینا چاہیے۔"(۲)

اقبال نے مغربی نظریۂ وطنیت کے مقابل اُمت کے تصور کے تصور کو اُجاگر کیا ہے اور اِس تصور میں زبان، نسل، قومیت اور خطے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ جب کہ مغربی وطنیت کا نظریہ اِنھی چیزوں سے تشکیل پاتا ہے۔ اقبال اِن سب سے بالاتر ہو کر وسیع معنوں میں اُمت کے تصور کی جانب کو توجہ دلاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے تعصبات اور مفادات کے خاتمے کا امکان پیدا ہوتا ہے اور مختلف ممالک ایک ہی لڑی میں پروئے جاسکتے ہیں۔ اِس سے سٹوڈنٹس کے علاقائی، لسانی اور فرقہ ورانہ رجحانات کو ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ اِس وقت اُمت مسلم اور خصوصاً پاکستان کو اِن مسائل کا سامنا ہے۔

اس دور میں مے اور ہے جام اور ہے جم اور
ساقی نے بنا کی روشِ لطف و ستم اور
مسلم نے بھی تعمیر کیا اپنا حرم اور
تہذیب کے آزر نے ترشوائے صنم اور
ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو پیرہن اِس کا ہے وہ مذہب کا کفن ہے(۳)

یہاں اقبال وطنیت کے نظریے پر کاری ضرب لگاتے ہیں۔ اِس تصور کو انقلاب فرانس کے بعد زیادہ تقویب ملی اور اِس وجہ سے مذہب راندہ ءدرگاہ ہو گیا۔ اِس کے پیچھے معاشی مقاصد بھی کار فرما تھے اور اس بنا پر یورپ میں اِسے قبول عام کی سند حاصل ہو گئی۔

ڈاکٹر یوسف حسین کہتے ہیں:

"جدید مملکت کی ایک اہم خصوصیت یہ ہے کہ یہ اپنے نظام فکر کو وطنیت کے اجتماعی فلسفے پر مبنی قرار دیتی ہے۔ وطنیت ہی اِس کا دین ہے اور یہی اس کا ایمان۔ اپنے اعمال کو حق بجانب ٹھہرانے کے لیے وطنیت کے جذبے کا سہارا لیتی ہے۔۔۔ وطنیت کے تصور نے بڑی حد تک اِس روحانی اور معنوی خدا کو اہلِ مغرب کی زندگی میں پُر کیا جو مذہب کے ترک کرنے سے پیدا ہو گیا تھا۔"(۴)

موجودہ دور میں سب سے بڑا خطرہ تہذیب و ثقافت کو درپیش ہے۔ جیسے بڑی زبان چھوٹی زبانوں کو کھا جاتی ہے اِسی طرح بڑی ثقافت چھوٹی ثقافتوں کو ہڑپ کر رہی ہے۔ اِس کی وجہ سے کہیں کہیں تصادم بھی دکھائی دیتا ہے۔ یورپین ثقافت میں تصور آزادی نے نوجوان کو خاصا متاثر کیا ہے۔ مشرقی تہذیب و ثقافت خاص ضابطے، قاعدے اور اُصول کی مرہونِ منت ہے۔ یورپین ثقافت اِس سے ماورا ذاتی آزادی کو ترجیح دیتی ہے اور اِس وجہ سے مشرقی ممالک، مسلم دنیا اور بالخصوص پاکستان میں دو مختلف الذہان طبقات پیدا ہو رہے ہیں۔ یہ عمل تو انگریز کی آمد سے شروع ہو گیا تھا مگر ڈیڑھ سو سال سے زائد عرصے کے بعد آج اِس کے اثرات سے بچ نکلنا خاصا مشکل امر ہے۔ کلامِ اقبال کے ذریعے اِس فکری رجحان پر قابو پانے یا کم کرنے میں مدد مل سکتی ہے۔ اقبال اِس جانب خاص توجہ دلاتے ہیں:

حرارت ہے بلا کی بادۂ تہذیب حاضر میں
بھڑک اُٹھا بھبھو کا بن کے مسلم کا تنِ خاکی
کیا ذرّے کو جگنو دے کے تابِ مستعار اس نے
کوئی دیکھے تو شوخی آفتابِ جلوہ فرما کی
نئے انداز پائے نوجوانوں کی طبیعت نے
یہ رعنائی ، یہ بیداری ، یہ آزادی ، یہ بے باکی(۵)

اقبال نے اپنی زندگی میں ہی اِس مسئلے کی نشان دہی کر دی تھی۔ وہ جانتے تھے کہ ثقافتی دوری مسلمانوں کو اپنے تابناک ماضی سے دور لے جائے گی اور وہ مغرب کی چکاچوند میں کھو کر ثقافتی ورثے سے دستبردار ہو جائیں گے۔ اُنھوں نے خطبۂ لاہور میں ارشاد فرمایا:

> ”میں تجویز کرتا ہوں کہ ہند کے تمام شہروں میں مردانہ اور زنانہ ثقافتی ادارے قائم کیے جائیں۔ ان اداروں کا سیاست سے کوئی واسطہ نہ ہو ان کا اہم مقصد یہ ہونا چاہیے کہ نوجوان نسل کی خفتہ روحانی قوتوں کو حرکت میں لائیں۔ اُن پر یہ واضح کیا جائے کہ مذہبی اور ثقافتی تاریخ میں اسلام نے اب تک کیا کارنامے انجام دیے ہیں اور ہمیں آئندہ کیا کچھ حاصل کرنا ہے۔“(۶)

عصرِ حاضر کے نوجوان کا ایک بڑا المیہ فطرت سے دوری ہے۔ مظاہر فطرت دعوتِ فکر دیتے ہیں اور اِس سے ہم آہنگی دل کو سکون

اور روح کو تازگی عطا کرتی ہے۔ غیر فطری زندگی نے تصنع اور بناوٹ کو جنم دیا ہے۔ عام نوجوان اس چکا چوند سے متاثر ہو کر زندگی کی اصل رعنائیوں کو فراموش کر چکا ہے۔ اقبال کی شاعری میں نظری و فکری مباحث کے بعد سب سے زیادہ شاعری فطرت سے متعلق ملتی ہے۔ اقبال جانتے تھے کہ مغربی تہذیب و تمدن میں فطرت سے دوری نے زندگی کو اجیرن کر رکھا ہے۔ فطرت کی طرف لوٹنے سے حقیقی خوشی مل سکتی ہے۔ اِس باب میں اُردو شعراء میں اقبال کا ثانی دکھائی نہیں دیتا ہے۔

نظم ساقی نامہ کا آغاز دیکھیے:

ہُوا خیمہ زن کاروانِ بہار
اِرم بن گیا دامنِ کوہسار
گُل و نرگس و سَوسن و نسترن
شہیدِ ازل لالہ خونیں کفن
جہاں چھُپ گیا پردۂ رنگ میں
لہُو کی ہے گردش رگِ سنگ میں
فضا نیلی نیلی، ہوا میں سُرور
ٹھہَرتے نہیں آشیاں میں طیُور
وہ جُوئے کُہستاں اُچکتی ہوئی
اَٹکتی، لچکتی، سرکتی ہوئی
اُچھلتی، پھِسلتی، سنبھلتی ہوئی
بڑے پیچ کھا کر نِکلتی ہوئی(۷)

اقبال فکری محاذ پر تمام نظریات کے سامنے سینہ سپر دکھائی دیتے ہے۔ وہ ملوکیت، فسطائیت، جمہوریت، مارکسیت سمیت تمام نظام ہائے مملکت کے آگے اسلام کی درخشندہ روایات کے امین بن کر کھڑے ہیں۔ نظم ابلیس کی مجلس شوریٰ نصاب کا حصہ ہونی چاہیے۔ یہ نظم ملوکیت، سرمایہ داری، جمہوریت، مارکسیت کی فتنہ پروری کو چاک کرتی ہے۔ یہ تمام نظام زندگی کی مشکلات میں اضافہ کرتے ہیں۔ مخصوص لوگ بر سرِ اقتدار ہوتے ہیں اور ملکی وسائل پر قابض رہتے ہیں۔

ابلیس کا کردار بتاتا ہے کہ مستقبل میں شیطانیت کا مقابلہ صرف اسلام سے ہو گا اور اس کا حل یہ ہے کہ انھیں خانقاہی نظام کے ذریعے ذکر و فکر میں مست رکھو تا کہ یہ دنیا میں سیاست کے پیچ و خم سے دور رہے۔

تم اسے بیگانہ رکھّو عالمِ کردار سے

تا بساطِ زندگی میں اس کے سب مُہرے ہوں مات
خیر اسی میں ہے، قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اَوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوّف اس کے حق میں خوب تر
جو چھُپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفَس ڈرتا ہُوں اس اُمّت کی بیداری سے مَیں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات
مست رکھّو ذکر و فکرِ صُبحگاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاجِ خانقاہی میں اسے(8)

ڈاکٹر تحسین فراقی لکھتے ہیں:

"اقبال کی وسعت نظر اور آفاق گیر طرزِ احساس کا کمال یہ ہے کہ اُنہوں نے بر عظیم کی مسلم ملت اور اسلامیانِ عالم کے باب ہی میں اپنے مثبت اور نشاہ ثانیہ کے حامل افکار کا تخلیقی اظہار نہیں کیا بلکہ پوری نوعِ انسانی کی فلاح واصلاح کو پیش نظر رکھا۔"(9)

عہدِ حاضر میں تدریس اقبال کی اہمیت و افادیت سے انکار ممکن نہیں ہے۔ اُس کے ذریعے آئندہ نسلوں کی فکری تربیت کا فریضہ انجام دیا جا سکتا ہے۔ ہر قوم کسی مصلح یا مفکر کی پیروی کرتی ہے۔ ہم اقبال کے ذریعے مضبوط کردار کے حامل با عمل اور مستقبل شناس نوجوان تیار کر سکتے ہیں۔ جو ملت کی پاسبانی کا فریضہ انجام دیں تا کہ زوال آمادہ قوم نئے سرے سے اپنا مقام پیدا کرے۔

آخری بات یہ ہے کہ پاکستان میں نظامِ تعلیم یکساں نہیں ہے۔ انگریزی، اردو اور دینی تعلیم کے ذریعے ہم تین مختلف الذہن نسلوں کو تیار کر رہے ہیں۔ اسی وجہ سے ٹکراؤ دکھائی دیتا ہے۔ سب سے پہلے نظام تعلیم کو یکساں ہونا چاہیے۔ وگرنہ تمام کوشش بے سود ثابت ہو سکتی ہے۔

حوالہ جات

1. علامہ اقبال: کلیات اقبال،(اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن،مارچ2015ء)،ص287-288
2. ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم: فکرِ اقبال،(لاہور: بزم اقبال،1988ء)،ص665
3. علامہ اقبال: کلیاتِ اقبال،ص187
4. ڈاکٹر یوسف حسین خاں: روح اقبال،(لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت،مارچ2010ء)،ص258
5. علامہ اقبال: کلیاتِ اقبال،ص253
6. ڈاکٹر غلام حسین ذوالفقار: علامہ اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء،(لاہور: بزم اقبال،اکتوبر1998ء)،ص171
7. علامہ اقبال: کلیاتِ اقبال،ص450
8. ایضاً،ص712
9. ڈاکٹر تحسین فراقی:اقبال دیدہ بینائے قوم،مشمولہ "کشت نو (اقبال نمبر)،فیصل آباد: زرعی یونیورسٹی،2003ء،ص86

ماخذات

۱۔اقبال،علامہ: کلیات اقبال،اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن،مارچ2015ء

۲۔خاں،یوسف حسین،ڈاکٹر: روح اقبال،لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت،مارچ2010ء

۳۔خلیفہ عبدالحکیم،ڈاکٹر: فکرِ اقبال،لاہور: بزم اقبال،1988ء

۴۔ذوالفقار،ڈاکٹر غلام حسین: علامہ اقبال کا ذہنی وفکری ارتقاء،لاہور: بزم اقبال،اکتوبر1998ء

رسائل

۱۔تحسین فراقی،ڈاکٹر: "اقبال دیدہ بینائے قوم"،مشمولہ "کشت نو" (اقبال نمبر)،فیصل آباد: زرعی یونیورسٹی،2003ء